محمد طاہر بوستان خان
لیکچرار شعبہ اُردو، کیڈٹ کالج، سوات
مسز رفعت چوہدری
اسکالر پی ایچ ڈی اقبالیات ،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

شیخ سعدی اور میر تقی میر کا تصورِ عشق

Muhammad Tahir Bostan Khan
Lecturer in Urdu, Cadet College Swat.
Mrs. Riffat Chaudhary
Scholar PhD Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad.

The vision of love near Shekh Saadi and Meer Taqi Meer

Both Meer Taqi Meer and Shekh Saadi were highly reputed poets of their respective ages. They hold an immensely deep and strong idea of love. The poetry composed by these two great poets entertains a prominent position when it comes to the topic of love. Love is all about making sacrifice. This essay highlights a sense of similarity between the poetry of Saadi and Meer. It is impossible to live without love. Both of them went deep down into the subject of love and became acquainted with the true meaning of love. The theme according to theses two poets is not about the flirtation but both are the fane of real or divine love. Meer is known amongst his contemporaries for his love (ISHQ) where as Saadi seems to be a warrior in the field of love. The parables of Saadi are quite visible to the whole world , but the vision of love displayed by these two poets have similar colour of love.

Keywords: *Vision, Contemporaries, Acquainted, Entertains, Divine Love, Parables, Ishq*

فارسی تقریباً سات سو سال بر صغیر پاک و ہند میں سرکاری اور ادبی زبان کی حیثیت سے رواج پزیر رہی ہے۔ اسلامی ثقافت اور معاشرت پر مبنی کافی علمی ذخیرہ اس زبان میں وافر مقدار میں موجود ہے۔ شیخ سعدیؒ کی تصانیف میں گلستان اور بوستان سے زیادہ کوئی مقبول اور مطبوع کتاب نہیں۔ان کتابوں کی مشرق اور مغرب کی بے شمار زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔گلستان شیخ سعدیؒ کی پہلی تصنیف ہے جس کو ادبی دنیا میں شرف اور امتیاز حاصل ہے۔اسی طرح میر تقی میر کی شاعرانہ عظمت بھی اپنی جگہ آپ ہے۔دوسرے شعرا کی طرح میر بھی اپنے دَور کے

نمائندہ شاعر تھے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے جذبۂ عشق کو کمال تک پہنچایا۔ انہوں نے اُردو شاعری کی کلاسیکی روایت کے ساتھ جدید شاعری کا دامن بھی رنگوں سے بھر دیا، یہی وجہ ہے کہ میر تقی میر کی شاعری میں ترقی پسند روایت موجود نظر آتی ہے۔ میر نے الفاظ کی میناکاری کی ہے، ان کا انداز شگفتہ ہے۔ ذیل میں ہم "گلستان" کے حوالے سے شیخ سعدیؒ اور میر تقی میر کی شاعری میں تصورِ عشق کا مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ عشق سرچشمۂ صداقت ہے۔ اگر عشق موجود ہے تو دین کی حقیقت موجود ہے اگر عشق موجود نہیں تو دین محض نقل ہے جس سے انسان کے باطن کو کوئی فائدہ نہیں۔ مولانا رومی عشق کے بارے میں لکھتے ہیں:

عشق کے ہر قول اور فعل میں عشق کی خوشبو آتی ہے۔"(۱)

شیخ سعدیؒ عشق کے حوالے سے "گلستان" میں لکھتے ہیں :

یاد تو غافل نتوانکرد بہیچم
سر کوفتہ مارم نتوانم کہ بہ پیچم

ترجمہ:

تیری یاد سے مجھے کسی طرح غافل نہیں کر سکتے
میں سر کچلا ہوا سانپ ہوں کہ حرکت نہیں کر سکتا(۲)

"خدائے سُخن" میر تقی میر کے کلام میں وہ عالم گیر حسن پایا جاتا ہے جو کسی بھی وقت اور جگہ کی قید و بند سے آزاد ہے۔ وہ اپنی دلی کیفیات کا اظہار نہایت ہی خلوص اور صداقت سے کرتے ہیں، گویا اپنے دلی واردات کی تفسیر و تفصیل بغیر کسی عارضی اضافے کی بیان کرتے ہیں۔ یوں ان کی شاعری کا معیار روایتی شاعری کے معیار سے بڑھ کر شہرت کی بلندیوں کو چھو جاتا ہے۔ وہ عشق کے بلند مرتبہ کے بارے میں اپنے خیال کو یوں باندھتے ہیں :

امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے تبھی چھوٹی گرفتار محبت(۳)

شیخ سعدیؒ محبت میں محبوب کی طرف سے کسی قسم کے خطرے سے ڈرتے نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ تیرے دیکھنے سے باز آجاؤں۔ اے محبوب! تیرے دیکھنے سے مجھ پر تیر کیوں نہ برسے، میں پھر بھی تیری طرف دیکھتا رہوں گا۔ شیخ سعدیؒ محبوب کی محبت کا لطف اٹھانے کے لیے عشق کے راستے میں سختیوں سے نہیں گھبراتے۔ اس لیے کہتے ہیں :

زدیدنت نتوانم کہ دیدہ بر بندم
گر از مقابلہ بینم کہ تیر می آید

ترجمہ:

مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ تیرے دیکھنے سے پ آنکھ بند کر لوں
اگرچہ میں یہ دیکھ لوں کہ سامنے سے تیر آتا ہے (۴)

جب کہ اس خیال کو میر تقی میر کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں بھی محبوب سے محبت کا یہ احساس ملتا ہے۔ میر تقی میر بھی محبوب کے عشق میں ہر قسم خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہے لیکن محبوب کو کھونا نہیں چاہتا۔ میر تقی میر عشق کے ہر آزار کو سلیقے سے برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے عشق میں ہر غم اپنے سینے سے لگا کر اپنی ذات اور زندگی کی نمو کا ذریعہ بنایا۔ کہتے ہیں :

سر جائے گا و لیکن آنکھیں ادھر ہی ہوں گی
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے (۵)

شیخ سعدیؒ کا اندازِ نگارش شگفتہ ہے۔ عشق کے حوالے سے ان کی حکایات اور ان کے اشعار ایک عظیم تہذیب کی امین اور ترجمان ہیں۔ ذیل کے شعر میں بھی وہ عشق میں محبوب کو مخاطب ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! تجھ سے علٰحیدہ رہنے سے کیا فائدہ۔ کیا تیرے بغیر میں زندہ رہ سکوں گا؟ بالکل نہیں۔ اے میرے محبوب! مجھے مار ڈالو تا کہ مجھے تیرے بغیر زندہ نہ رہنا پڑے، کیوں کہ تیرے بغیر زندگی بے کار ہے۔ فرماتے ہیں :

باز آے و مرا بکش کہ پیشت مردن
خوشتر کہ پس از تو زندگانی کردن

ترجمہ:

واپس آ اور مجھے مار ڈال کہ تیرے سامنے مر جانا
تجھ سے جُدا ہو کر زندہ رہنے سے بہت اچھا ہے (۶)

میر کی آہ وزاری اُردو غزل میں طولانی ہے۔ وہ بھی زندگی کی ناکامیوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ہر وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں بھی محبوب کا وہ تصور پایا جاتا ہے جو سعدیؒ کے ہاں ہے۔ میر کی زندگی کے پھیکے پن میں شیرینی عشق کی بدولت پیدا ہوئی۔ اپنے معشوق کو کہتے ہیں کہ تیرے بغیر میری کیا

حالت ہوتی ہے، اس کا اندازہ تو نہیں لگا سکتا۔ جب تو میرے پاس نہیں ہوتا تو مجھے زندگی محض ایک رسم دکھائی دیتی ہے۔ جب تم ساتھ نہ ہو تو ایسی زندگی کو کیا کروں۔ کہتے ہیں:

آئے بن اس کے حال ہوا جائے ہے تغیّر
کیا حال ہو گا پاس سے جب یار جائے گا(۷)

شیخ سعدیؒ معشوق کی خوب صورتی اور عشق میں بے قراری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے معشوق تیرا چہرہ اتنا خوب صورت ہے کہ اگر صبح کے وقت کوئی تجھے دیکھ لے تو وہ دن اس کے لیے عیش کا دن ہوتا ہے جو جلدی گزر جاتا ہے۔ سعدی؛ ۲۳۱؛ عشق میں محبوب سے ملاقات کے وقت کا تعین بھی کرتا ہے کہ معشوق سے ملاقات کا وقت انتہائی جلدی گزر جاتا ہے۔ یعنی عاشق معشوق کے حسن میں اتنا کھو جاتا ہے کہ صبح سے شام تک کا وقت ایک لمحہ میں گزر جاتا ہے لیکن عاشق معشوق کے دیدار سے سیر نہیں ہو پاتا۔

علی الصباح بروے تو ہر کہ بہ خیزد
صباح روز سلاست بروما سا باشد
بد اخترے چو تو در صحبت تو یاستے
ولے چنانکہ توئی در جہاں کجا باشد

ترجمہ:

صبح کے وقت جو آدمی تیرا منہ دیکھتا اُٹھے
تو عیش کے دن کی صبح اُسکے لیے شام ہو جائے(۸)

اس خیال کو میر کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ بھی اپنے معشوق کے دیدار کے لیے تڑپ اٹھتے ہیں۔ وہ معشوق کا چہرہ دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔ میر محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ میر کا غمِ جاناں محض روایتی نہیں۔ میر کے ہاں غمِ جاناں اور غمِ دوراں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس غم میں غمزدہ اپنے محبوب کے دیدار کے لیے صبح و شام ایک کیے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں:

کاش اب برقع منہ سے اٹھا دے، ورنہ پھر کیا حاصل ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا(۹)

یہ ادابِ عشق کے خلاف ہے کہ عاشق معشوق کے ہوتے ہوئے کوئی بات کر سکے۔ عاشقوں کے لیے تو ان کے معشوق ہی ان کی زندگی ہوتی ہے۔ اک عاشق کو اپنے محبوب کے بغیر زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس خیال کو سعدیؒ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ معشوق بیٹھا ہو اور عاشق کے منہ سے بات نکلے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ جہاں معشوق بیٹھا ہو وہاں عاشق کے وجود کا موجود ہونا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ملاقات کے وقت عاشقوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنے معشوق کے سامنے بات تک نہیں کر سکتے۔

شیخ سعدیؒ اس حوالے سے کہتے ہیں :

عجب ست باوجودت کہ وجود من بماند
تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

ترجمہ:۔

تعجب ہے کہ تیرے ہوتے ہوئے میرا وجود باقی رہے
تو بات کرنے لگے اور مجھ میں بات کی طاقت رہے [۱۰]

میر کہتے ہیں کہ محبوب سے دُوری کی وجہ سے میری حالت دیکھنے کے قابل نہیں۔ محبوب کے سامنے ہوتے ہوئے بھی مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں کچھ بول سکوں۔ تغیّر حال بھی میر کے لیے زندگی کا ایک تسلسل ہے۔ معشوق کے ہوتے ہوئے بھی میر کی حالت دیکھنے سے باہر ہے۔ اپنے دل کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے [۱۱]

شیخ سعدیؒ کی غزلیں اپنے عہد کی جذبات نگاری اور شیوہ بیانی کا لطیف ترین نمونہ ہیں۔ انہوں نے دل کش معانی کو سادہ الفاظ میں فصاحت و کمال کا مرقع بنا کر پیش کیا۔ ذیل کے شعر میں انہوں نے محبوب کو دوست ظاہر کیا ہے۔ یہاں شیخ سعدیؒ نے محبوب کی جدائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر میں اپنے محبوب کی جدائی میں خود جان نہ دے دوں تو میں کسی فیصلے کا منصف کیسے بن سکتا ہوں۔ یعنی انہوں نے خود کو ہر حالت میں اپنے آپ کو محبوب کے حوالے کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

ان لم اَمُت یوم الوداع تاسُّفاً
لا تحسبونی فی المودّۃ مُنصِفاً

ترجمہ:

اگر میں دوست کی رخصت کے دن افسوس کرتا کرتا مر نہ جاؤں
تو مجھے محبت میں منصف نہ جانو(۱۲)

شیخ سعدیؒ کے اس خیال کو میر کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ محبوب کی جدائی کا نقشا انہوں نے بڑے اچھوتے پیرائے میں کھینچا ہے۔ محبوب کی جدائی اور اس کے بعد شاعر کی دلی کیفیت، یہ وہ اندازِ عاشقانہ ہے جس کا میر تقی میر نے بڑی بے دردی سے پردہ چاک کیا ہے۔ میر محبت میں نہ صرف محبوب کا تقاضا کرتا ہے بل کہ اپنی شخصیت کے امکانات کو وسیع کرنے کا ہمہ گیر تقاضا بھی کرتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں ان کی دلی کیفیت بھی شیخ سعدیؒ کی طرح ہے۔ لکھتے ہیں:

نظر میر نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد(۱۳)

محبت میں ہر عاشق اپنے معشوق کو ہر وقت چاہتا ہے۔ محبت میں انا پرستی کی کوئی جگہ نہیں۔ عشق و عاشقی ایسے نازک معاملات ہیں کہ جن میں عاشق اور معشوق دونوں کچھ حدود اور کچھ ضابطوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ اگر عشق میں خلوص کے جذبات نہ ہوں تو وہ عشق نہیں بل کہ عشق کے نام پہ کاروبار ہے۔ شیخ سعدیؒ اس خیال کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر عشق میں محبوب کے لیے تن من دھن کی قربانی دینے سے گریز کیا جائے تو یہ عشق نہیں، کاروبار ہے۔ عشق کا نام ہی تو ہے محبوب کی تلاش میں مر جانا ہے۔ سعدیؒ عشق کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ وہ اس کے ایجاد کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ یوں ان کے قلم سے اشعار نہیں بل کہ خونِ جگر کے ٹکڑے قطروں کی شکل میں نکلتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

تو کہ در بند خویشتن باشی
عشقبازی دروغ زن باشی
گر نشاید بدوست رہ بردن
شرط عشق ست در طلب مردن

ترجمہ:

تو جب کہ اپنی فکر میں رہے گا
تیرا عشق بازی کا دعوٰے جھوٹ ہو گا
اگر دوست تک پہونچنا ممکن نہ ہو
تو عشق کی شرط ہے دوست کی تلاش میں مر جانا(۱۴)

جب کہ میر تقی میر بھی عشق کے حوالے سے محبوب کے رشتے کو دنیا کے تمام رشتوں پر ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عشق کی داستان کے آگے کوئی ایسی داستان نہیں جس میں تباہی و بربادی ہو۔ شاعر کہتا ہے کہ عاشق کے لیے خون ہی ناکافی ہے، کاش عشق کے مزے اور اس کے مطلب تک کوئی آسانی سے پہنچ پائے۔ میر کہتے ہیں :

خاک و خوں میں لُوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا سلامت نیم جان میں لے گیا
سر گزشت عشق کی تہ کو نہ پہنچایاں کوئی
گرچہ پیش دوستاں یہ داستاں میں لے گیا(۱۵)

شیخ سعدیؒ عشق کے حوالے سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ذیل کے اشعار میں انہوں نے محبوب کی صورت کے حوالے سے کہا ہے کہ میرا محبوب اتنا خوب صورت ہے کہ اس کے حسن کے آگے شمع کی روشنی بھی ماند پڑتی ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ میرے محبوب کے حسن کے سامنے شمع کی نہیں چلتی، اس لیے اگر میرے اور محبوب کے بیچ کوئی اور آئے تو اسے مار ڈالنا چاہیے۔ جب بھی محبوب محفل میں آتا ہے تو اس وقت شمع کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لکھتے ہیں :

چوں گرا(۱۶) نے بہ پیش شمع آید
خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ اسیت شیریں لب
آستینش بگیر و شمع بکش (۱۷)

ترجمہ:

جب کوئی بد صورت شمع کے سامنے آئے

اُٹھ اور اس (شمع) کو محفل میں مار ڈال
اور اگر کوئی ہنس مکھ شیریں لب ہے
تو اس کی آستین پکڑ اور شمع کو بُجھا[۱۸]

میر کے تصوّرِ محبوب، حسن اور عشق کے بارے میں محمد عامر اقبال لکھتے ہیں :

''میر کے نزدیک محبوب کے چہرے کے سامنے تو پریوں کے رخسار بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ انہیں محبوب کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ دل کش نظر آتا ہے حتیٰ کہ چکور جو کہ چاند کا شیدائی ہے، بھی چاند کی بجائے میر کو محبوب کے چہرے پر اس طرح قربان ہو گیا کہ اس کی محبت میں مبتلا ہوا۔

شرمندہ ترے رُخ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا''[۱۹]

شیخ سعدیؒ کا یہ خیال میر کے ہاں بھی موجود ہے۔ میر تقی میر کہتے ہیں کہ محبوب کے حسن کے آگے میں معذور ہو گیا ہوں۔ میرا محبوب اتنا خوب صورت ہے کہ اس کے سامنے کوئی دوسرا حسن نہیں ٹھہر سکتا۔ شیخ سعدیؒ کی طرح میر کو بھی محبوب کے بغیر قرار نہیں۔ ان دونوں کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ دونوں حسن پرست تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے ہاں حسن و عشق کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ میر کہتے ہیں :

آگے جمال یار کے معذور ہو گیا
گل اک چمن میں دیدہ بے نور ہو گیا[۲۰]

شیخ سعدیؒ لکھتے ہیں :

کوتہ نکنم ز دامنت دست
ور خود بزنی بہ تیغ تیزم
بعد از تو ملاذ و ملجائے نیست
ہم در تو گریزم ار گریزم

ترجمہ :

میں تیرے دامن سے ہاتھ کو تاہ نہ کروں گا
چاہے تو مجھے تیز تلوار سے مار ڈالے

تجھے چھوڑ کر میرے لیے پناہ کی جگہ نہیں
میں اگر بھاگوں گا تو تیری ہی طرف بھاگوں گا(۲۱)

شاعر اپنے محبوب سے صاف اور برملا کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ چاہے تو مجھ پر جتنے بھی مظالم ڈھالے، تیری طرف سے مجھ پر تلوار کیوں نہ چلے، میں تیری چاہت سے باز نہیں آؤں گا، کیوں کہ تجھے چھوڑ کر میری دوسری جگہ نہیں۔ میری زندگی بھی تُو ہے اور موت بھی تُو۔ میں نے ایک لمحہ کے لیے تجھ سے خود کو علٰحیدہ نہیں جانا۔ اے میرے محبوب! تُو مجھ کو جس طرح امتحانات میں ڈالے گا، ڈال دے، آخر میں تجھے میری محبت کا اندازہ ہو جائے گا۔

میر بھی اپنے محبوب کو کہتا ہے کہ اے میرے محبوب! جنہوں نے تیرا حسن دیکھا تو ان پر قیامت برپا ہوئی۔ میری روح تیری طرف ہے۔ میں نے تجھ کو اپنے سے جدا کبھی نہیں مانا اور نہ ہی مانوں گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں تجھ سے کس حد تک محبت کرتا ہوں۔ اس حوالے سے میر کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جھمکی دکھا کے طور کو جن نے جلا دیا
آئی قیامت ان نے جو پردہ اٹھا دیا
ہے میرے ترے نسبت روح اور جس کی سی
کب آپ سے میں تجھ کو اے جان جدا جانا(۲۲)

شیخ سعدیؒ عشق میں بے قراری کی طرف اشارہ کرتا ہے، کہتا کہ جب میرا محبوب خوب صورت تبسّم کے ساتھ نمودار ہوتا ہے تو میرے علاوہ دوسرے لوگوں کے دلوں پر بھی راج کرتا ہے۔ مجھ سمیت تمام لوگ اس کی زلفوں کی خوب صورتی میں کھو جاتے ہیں۔ اس لیے میں سوچتا ہوں کہ کاش! محبوب کی زلفیں میرے ہاتھوں ایسے آجائیں جیسے فیّاض لوگ فقیروں پر مہربان ہوتے ہیں، کاش! معشوق بھی مجھ پر اس طرح مہربان ہو۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

نگارِ من چو در آید بخندۂ نمکیں
نمک زیادہ کند بر جراحتِ ریشاں
چہ بودے ار سرِ زلفش بدستم افتادے

چو آستین کریماں بدست درویشاں

ترجمہ :

میرا معشوق جب نمکین ہنسی ہنستا ہوا آتا ہے
تو وہ زخمیوں کے زخم پر نمک زیادہ کرتا ہے
کیا اچھا ہوتا اگر اس کی زلف کا سرا میرے ہاتھ پڑتا
جیسے کہ سخی لوگوں کی آستین فقیروں کے ہاتھ میں [۲۳]

میر محبوب کی ستم ظریفی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! جو کوئی تیرے ہاتھ کی تلوار کا وار کھائے گا، اسے کسی طور چین نصیب نہیں ہو گا، ہاں محبوب کی سیاہ زلف کا کیا کہنا۔ میر نے معشوق کی زلف کو بلا سے تشبیہ دی ہے کہ محبوب کی زلف قیامت ڈھانے والی ہے۔ یعنی یہاں شاعر محبوب کی زلف جو درد و مصیبت میں ڈالنے والی ہے، کی پھر بھی تمنّا کرتا ہے۔ کہتا ہے :

دے گی نہ چین لذّت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے ہاتھ کی تلوار جائے گا
آوے گی اک بلا تر سر، سن لے اے صبا
زلف سیہ کا اس کے اگر تار جائے گا[۲۴]

عشق کے حوالے سے شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی تمام قرآن شریف کو حفظ کر لے اور اچانک کسی پر عاشق ہو جائے تو اسے معشوق کی یاد میں قرآن کی سات منزلیں تو کیا الف بے تے بھی یاد نہ رہے گی۔ یعنی عشق ایسا زبردست جذبہ ہے کہ اس کے آگے تمام محبتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ قرآن کو حفظ کرنا اور پھر اسے بھول جانا بڑا گناہ ہے لیکن عاشق ہو کر پھر اسے یاد رکھنے کی توقع عبث ہے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں :

گر خود ہفت سبع[۲۵] از بر بخوانی
چو آشفتی الف با تا ندانی

ترجمہ:

اگر تو قرآن کی ساتوں منزلیں حفظ پڑھ لے
جب تو عاشق ہو گیا تو الف بے تے بھی یاد نہ رہے گی[۲۶]

شیخ سعدیؒ کی طرح میر تقی میر کی زندگی بھی غمِ عشق سے عبارت ہے۔ معیار و مقدار کے لحاظ سے دونوں شعرا عشق کے مردِ میدان ہیں، بلاشبہ ان دونوں کی شاعری میں جذباتی عنصر موجود ہے۔ ان دونوں شعرا نے اگر ایک طرف روایت کی پاسداری کی تو دوسری طرف روایت شکنی بھی کی۔ دونوں اطراف کے ڈانڈے عشق کے والہانہ جذبات اور رومانیت سے ملتے ہیں۔

ان دونوں شعرا کا عشق مذہب و مکتب اور محراب کے حدود و قیود سے آزاد ہے۔ شیخؒ اور میر تقی میر صرف تشنگی اور پیاس کی داستاں ساتھ لے کر نہیں چلتے بل کہ ان کی زندگی میں ایک ایسا دکھ ضرور ہے جو انہیں اذیت دیتا ہے۔ ان کے اشعار میں اعضائے محبوب کا نقشا کھینچا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ احساسِ تنہائی ان دونوں کے کلام کا خاصا ہے۔ دونوں تاریخی شعور بھی رکھتے ہیں۔ حسن و شباب اور عشق و عاشقی یہ سب معاملاتِ دل اور وارداتِ قلبی ہی تو ہیں جو ان کی شاعری میں پائے جاتے ہیں اس لیے دونوں عشق آشنا مزاج اور حسنِ زندگی کے پرستار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تشبیہات رومی، خلیفہ عبدالحکیم، مکتبہ سید احمد شہید، لاہور ۱۹۵۹ء ص۔۱۲۶

۲۔ (گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی، (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۹۹۱ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔۲۴۸

۳۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۵۹

۴۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۱۲۲

۵۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۷۹

۶۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی، (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔۲۲۷

۷۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۷۰

۸۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔۲۳۱

۹۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۹

۱۰۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔

لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۲۰
۱۱۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۹۳
۱۲۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۳۹
۱۳۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۷۶
۱۴۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۱۷
۱۵۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۵۱ (۶۱) ایسا شخص جس کا آنا بار خاطر ہو۔
۱۷۔ شمع کو ہر حال میں بجھا دینا ضروری ہے
۱۸۔ میر تقی میر کا فنی و فکری مطالعہ۔ محمد عامر اقبال۔ مضمون۔ پیغامِ آشنا۔ جلد ۱۷، شمارہ ۴۶، جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء ص۔ ۱۱۹
۱۹۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۲۲
۲۰۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۹۴
۲۱۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۱۵
۲۲۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۵۵
۲۳۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی۔
لاہور۔ سن ندارد ص۔ ۲۳۳
۲۴۔ دیوانِ میر۔ میر تقی میر۔ مکتبہ فیاض، اُردو بازار، لاہور ۱۹۹۵ء ص ۹۶ (۵۲) قرآن شریف کی سات منزلیں (۲)
۲۵۔ گلستان (مترجم مولوی عبدالباری آسی (مرحوم)۔ مقبول اکیڈمی ۱۹۹ سر کلر روڈ چوک انار کلی، لاہور، سن ندارد ص۔ ۲۱۹